مولانا ذکی اللہ مصباحی

امام مالک کی علمی و اجتہادی خدمات

پیدائش اور سلسلہ نسب

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینے میں ولید بن عبدالملک اموی کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے، چناں چہ ۹۰، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۸ھ آپ کی تاریخ پیدائش بتائی جاتی ہے۔ لیکن اکثر کی رائے ۹۳ھ کی ہے۔ اس بابت ایک روایت خود امام مالک سے ہے۔ "ولدت سنة ثلاث و تسعين" میں ۹۳ھ میں پیدا ہوا۔ وفات: ۱۴ ربیع الثانی ۱۷۹ھ کو رشید عباسی کے زمانے میں ہوئی۔

آپ کا سلسلہ نسب ذواصبح نامی ایک یمنی قبیلہ سے ملتا ہے۔ آپ کا پورا نام مالک بن انس بن مالک ابو عامر اصبحی یمنی ہے۔ آپ کی والدہ کا نام عالیہ بنت شریک ازدیہ ہے۔

پرورش و پرداخت

آپ نے ایک ایسے خاندان اور ماحول میں آنکھ کھولی جہاں اثر اور حدیث کا بول بالا تھا۔ پہلے آپ اسلامی گھرانے کے دستور و رواج کے مطابق قرآن پاک کا حفظ فرماتے ہیں پھر اس کے بعد حفظ حدیث کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ مدینے میں علم حدیث سیکھنے کا جو خوش گوار ماحول قائم تھا اس سے متاثر ہو کر آپ اپنی ماں سے اس کا اظہار فرماتے ہیں۔ چناں چہ والدہ مکرمہ اجازت مرحمت کرتے ہوئے فرماتی ہیں: "اذهب الى ربيعة فتعلم علمه قبل ادبه" ربیعہ کے پاس جاؤ اور اس کے ادب سے پہلے اس کا علم سیکھو۔ آپ کو حدیث سیکھنے کا ذوق و شوق اس قدر تھا کہ ربیعہ کے حلقہ درس سے جو کچھ سنتے یا سیکھتے اس کو درختوں کے سائے میں بیٹھ کر

اعادہ کرتے۔ ایک بار ایسا کرتے ہوئے آپ کی بہن نے دیکھ لیا تو اس کا تذکرہ اپنے والد سے کیا۔ انھوں نے جواباً کہا: "**یابنیة! انه یحفظ احادیث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم**" بیٹی! وہ رسول ﷺ کی حدیثیں یاد کیا کرتا ہے۔

درس و افتا

حضرت امام مالک نے آثار فتویٰ نویسی کی تعلیم سے فراغت کے بعد مسجد نبوی میں درس و افتا کے لیے ایک مجلس کا انتخاب فرمایا۔ جس میں دور دراز سے لوگ آیا کرتے تھے اس کام کو کس عمر میں آپ نے شروع کیا؟ یہ تحقیق سے معلوم نہیں۔ پھر اپنی زندگی کے آخری ایام میں بیماری کی وجہ سے گھر پر ہی درس دینے لگے۔ بہت سے اخبار و روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اس وقت یہ کام شروع کیا جب ربیعہ باحیات تھے، ربیعہ کی وفات سن ۱۳۶ھ میں ہوئی اور آپ کی پیدائش راجح روایت کے مطابق ۹۳ھ میں ہوئی اس حساب سے آپ کی عمر شریف اس وقت ۴۳ برس کی ہوئی۔

ایک نکتہ

جس طرح آپ کے بارے میں یہ غلط روایت ہے کہ آپ والدہ کے حمل میں تین برس رہے اسی طرح کچھ لوگوں کی روایت سے یہ پتا چلتا ہے کہ آپ نے درس و افتا ۱۷ برس کی مدت میں شروع کر دیا تھا وہ بھی اپنے شیخ ربیعہ سے ناراض ہونے کے بعد، جہاں تک مذکورہ مدت حمل کی روایت کی بات ہے تو وہ طب کی روشنی میں صحیح نہیں۔ علم طب کے مطابق حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ سال بھر کی ہوسکتی ہے۔ عقیدہ ٔ ایمان کے حساب سے حمل کی مدت نو ماہ سے زائد کی نہیں ہوسکتی۔ رہی بات ربیعہ سے ناراضگی کی یا ۱۷ برس میں درس و افتاء کے آغاز کی تو وہ صحیح نہیں۔ ہاں اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ ربیعہ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر ۴۳ برس ہو رہی تھی اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ اس سے پہلے اس کام کو شروع کیا ہو بلکہ ایسا اس سے پہلے ضروری بھی ہے۔

پیشہ اور حکام سے تعلق

آپ کی روزی کا ذریعہ کیا تھا؟ اس سلسلے میں کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ البتہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والد کا پیشہ تیر سازی تھا۔ اور آپ بچپن ہی میں حصول علم حدیث کی طرف مائل ہوچکے تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے علم کے ساتھ یہ پیشہ بھی بطور روزی کمانے کے لیے اختیار کیا ہو۔ دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے بھائی نضر روئی کے کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور وہ خود علم اور طلب حدیث میں مشغول تھے۔ حضرت امام مالک ان کے ساتھ اس کو بیچا کرتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی روزی کا ذریعہ تجارت رہی ہو۔

آپ کے خلفا اور حکام سے بھی تعلقات تھے۔ ان کی طرف سے آنے والے ہدایا و تحائف کو قبول کرلیا کرتے تھے۔ جب کہ آپ کے معاصر حضرت امام ابوحنیفہ نہ تو اموی خلفاء کے ہدایا قبول فرماتے اور نہ بنوعباس کے خلفا کے۔ ایک بار آپ سے خلفاء کے اموال قبول کرنے کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''**اما الخلفاء فلاشک، یعنی ان لا باس به، وامامن دونهم فان فیه شیا**'' رہی بات خلفا کی تو اس میں کوئی شک نہیں۔ یعنی ان سے کچھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ جہاں تک ان کے علاوہ کی بات ہے تو اس میں باعث حرج ہے۔ اس کی وجہ آپ کی نظر میں یہی رہی ہوگی کہ خلفاء اپنی خواہش کی چیزوں کو اپنے لیے جمع کرلیا کرتے تھے اس میں سے نکال کر بھیجا کرتے تھے جسے قبول کرنے میں آپ کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رشید نے آپ کے لیے تین ہزار دینار بطور وظیفہ مقرر کردیا تھا۔ اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''**لو کان امام عدل فانصف اهل المروء ة لم اربه باسا**'' اگر امام عدل ہوتا تو صاحب مروت شخص ضرور انصاف کرتے لہٰذا میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ہوں۔

حکام کے ساتھ آپ کا سلوک

حکماء اور خلفاء سے تعلق کے باوجود علم اور علماء کی عظمت کو ان کی شان وشوکت پر ترجیح دیتے، چناں چہ طاش کبری زادہ اپنی تصنیف، مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۸۶ میں فرماتے ہیں

ہارون نے آپ کے پاس اپنی مجلس میں حاضر ہونے کا پیغام بھیجا تا کہ آپ سے ان کے دونوں بیٹے امین اور مامون مؤطا سیکھ۔ چناں چہ انھوں نے آپ سے یہ درخواست کی کہ اے بندۂ خدا! بہتر یہ ہے کہ آپ ہمارے پاس آئیں تا کہ ہمارے بچے مؤطا سن سکیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: امیرالمومنین کو اللہ عزت بخشے! علم آپ کی جانب سے نکلا ہے، اگر آپ اس کی عزت کریں گے تو وہ باعزت ہوگا اور اگر آپ اس کو رسوا کرتے ہیں تو ذلیل ہوگا۔ علم کے پاس آیا جاتا ہے وہ خود کسی کے پاس نہیں جاتا۔ اس پر مامون نے کہا: آپ نے سچ کہا، پھر انھوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو مسجد جانے کو کہا تا کہ وہ دونوں لوگوں کے ساتھ مؤطا کی سماعت کرسکیں۔ حضرت مالک نے فرمایا: لیکن شرط یہ ہے کہ وہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگیں گے نہیں اور مجلس جہاں ختم ہو رہی ہو وہیں بیٹھیں گے۔ اس شرط کے ساتھ دونوں مسجد میں حاضر ہوئے۔ اسی طرح کا واقعہ رشید کے ساتھ پیش آیا کہ انھوں نے اسی کتاب مؤطا کو اپنے پاس لانے کو کہا تو آپ نے اس کے پاس جانے سے انکار فرما دیا چناں چہ خلفیہ کو کہنا پڑا ''**واللّٰہ لانسمعہ الافی بیتک**'' بخدا! ہم آپ کے گھر میں ہی اسے سماعت کریں گے۔

حدیث وفقہ میں آپ کا مرتبہ

حضرت امام شافعی آپ کے مرتبہ حدیث وفقہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''**اذ ذکر العلماء، فمالک النجم، و ما احدا من علی من مالک**'' جب علما کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو مالک ستارے کی مانند بلند ہوتے ہیں۔ اور مجھ پر مالک سے زیادہ کسی کا احسان نہیں۔ امام محمد ابوزہرہ فرماتے ہیں: امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہ میں دو باتیں نمایاں ہیں ''ایک یہ کہ مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاں فقیہ اثر تھے وہیں فقیہ رائے بھی تھے۔ جس طرح اپنی فقہ کے اندر اثر کا بکثرت استعمال کرتے وہیں رائے کو بھی خوب استعمال کرتے ہیں۔ متقدمین ان کو فقہائے رائے میں شمار کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ سے جو فقہ مروی ہے اور اس کا جو طریقہ ہے وہ ان کے اس قول پر شہادت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت امام مالک کے یہاں رائے کے بہت سے وسائل تھے لیکن ان کا مرجع ایک ہی اصل تھا اور وہ تھا جلب مصلحت اور رفع حرج۔

☆ **الضرر لا یزال بالضرر** ☆ نقصان کا ازالہ نقصان سے نہیں کیا جائے گا ☆

آپ کے شیوخ کرام

آپ کے شیوخ کرام میں ابن ہرمز ہیں جن سے آپ نے مسلسل سات برس یا اس سے کچھ زاید عرصہ تک استفادہ کیا۔ اس دوران کسی اور سے استفادہ نہیں کیا۔ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ان سے استفادہ کرتے رہے۔ ایک قول میں یہ ہے کہ آپ کا ان سے تقریباً سترہ برس تک علمی رابطہ رہا۔ ایک دوسرے قول میں یہ ہے کہ آپ کا ان سے تقریباً تیس برس تک علمی رابطہ رہا۔

نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر

ان سے امام مالک نے حضرت عبد اللہ کی فقہ اور ان سے پوچھے جانے والے مسائل کے سلسلے میں جواب اور افتا کا علم سیکھا۔ حضرت نافع اس سلسلۃ الذہب کی کڑی ہیں جس کے بارے میں خود حضرت ابوداؤد نے اصح الاسانید فرمایا۔ وہ سلسلہ ذہب اس طرح ہے۔ : **مالک عن نافع عن ابن عمر**۔ آپ کا انتقال باختلاف روایت ۱۱۷ھ یا ۱۲۰ھ میں ہوا۔

ابن شہاب زہری

ان سے حضرت امام مالک نے علم حدیث سیکھا۔ آپ ان کے سب سے بڑے راوی ہیں۔ مؤطا میں بھی ابن شہاب کے واسطے سے بہت سی احادیث ہیں۔

ابو زناد

یہ امام مالک کے سب سے آخری استاد ہیں جن کا پورا نام عبداللہ بن ذکوان ہے جو موالی میں سے تھے اور ان کی اصل ہمدان سے تھے۔ کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی لیکن ابوزناد کی کنیت ان پر غالب آگئی۔ ان کا انتقال ۶۶ برس میں رمضان ۱۳۰ھ یا ۱۳۱ھ میں غسل خانے کے اندر اچانک ہوا۔ ان سے آپ نے صرف صحابہ اور تابعین سے منقول حدیث اور فقہ پڑھی۔

ربیعۃ الرای

آپ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلے استاذ ہیں۔ ان سے انھوں نے فقہ اثر سیکھی جس کا معنی و مطلب اثر پر ہی مبنی ہو۔ ایسا نہیں کہ اس کے معانی اپنی طرف سے

نکالے گئے ہوں۔ آپ کے فتویٰ دینے کا طریقہ یہ تھا کہ اس کا حل اثر میں تلاش کرتے تب فتویٰ دیتے اگر اس کے بارے میں کوئی اثر نہیں ملتا تو اثر پر مبنی معانی اخذ کر کے فتویٰ دیتے۔

ایک نکتہ

بعض روایات میں امام مالک کے پہلے استاد حضرت ربیعہ الرای کو بتایا گیا ہے جب کہ بعض روایات میں ابن ہرمز کو۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ طلب علم کے لیے سب سے پہلے اپنی عمر کے ابتدائی حصے میں آپ ربیعہ کے پاس گئے ہوں پھر آپ کے والد نے آپ کے بچپن ہی میں یہ خیال کیا ہو کہ ربیعہ سے آپ کا استفادہ محدود شکل میں ہے تو مالک نے ابن ہرمز کی طرف رخ کیا ہو۔

دیگر علما سے روابط

آپ کی شخصیت کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا ربط و تعلق اپنے شیوخ کے علاوہ دیگر علما سے بھی رہا خواہ وہ فقہا ہوں یا نہ ہوں۔ ان علماء سے آپ کا تعلق تین نوعیت کا تھا: (۱) حج کے موقع پر براہ راست علماء سے ملتے (۲) مدینے کے علماء کے ساتھ مسلسل نشست ہوتی (۳) اور کتابوں سے۔

دولت عباسیہ میں مختلف فرقوں کا ظہور

مامون، معتصم اور واثق جن کے دور کو آپ نے پایا، ان کے دور میں دو قسم کے فرقوں کا ظہور ہوا: ایک سیاسی، دوسرا اعتقادی۔ ان کے بارے میں آپ کا موقف کیا تھا؟ اس کو بیان کرنے سے پہلے ان کے نظریات کو بیان کرنا ضروری ہے تا کہ بہ آسانی ان کے تئیں آپ کے مؤقف تک رسائی حاصل کی جاسکے۔

سیاسی فرقوں میں شیعہ اور خوارج تھے۔ اعتقادی فرقوں میں قدریہ، جہمیہ (جبریہ) اور مرجئہ۔

شیعی فرقہ : تمام اسلامی فرقوں میں قدیم ہے جو حضرت عثمان کے آخری دور میں ظہور پذیر ہوا۔ اس کا ماننا تھا کہ حضرت علی بن ابو طالب خلافت کے زیادہ حق دار تھے۔ پھر اس میں بھی مختلف فرقے کا ظہور ہوا جنھوں نے حضرت علی کی تقدیس میں دینی حد سے تجاوز اختیار کیا۔ ان میں

سے سبیہ اور غرابیہ تھے۔

سبیہ: عبداللہ بن سبا کے پیروکار تھے۔ انھوں نے حضرت علی کو صفت الوہیت سے متصف کیا، تو ان میں سے بعض کو حضرت علی نے نذر آتش کر دیا۔

غرابیہ: اس کا ماننا تھا کہ نبوت حضرت علی کو ملنی تھی لیکن حضرت جبرئیل بھٹک گئے اور غلطی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے۔ پھر اس میں سے دوسرے گروہ ظاہر ہوئے ان میں ایک معتدل اور میانہ روی اختیار کیے ہوئے تھا۔ دوسرا غالی اور حد اعتدال سے متجاوز تھا۔ پہلے کو زیدیہ کہا جاتا ہے جو زید بن علی زین العابدین کا پیرو تھا جو شیخین حضرت ابوبکر وعمر کی امامت کو صحیح نہیں مانتا تھا اور دیگر صحابہ پر طعنہ زنی نہیں کرتا۔ دوسرا گروہ جو غالی اور حد اعتدال سے متجاوز تھا اس میں بھی مختلف گروہ کا ظہور ہوا (۱) کیسانیہ (۲) امامیہ اثنا عشریہ (۳) اسماعیلیہ۔

کیسانیہ: مختار کا پیرو تھا جو دولت مروانیہ کا پہلا شخص تھا۔

امامیہ اثنا عشریہ

اس کا ماننا تھا کہ اس کے بارہ امام ہیں جو سرمن رای، میں غائب ہوگئے ہیں وہ آخری زمانہ میں ظہور پزیر ہو کر دنیا کو حق وصداقت اور عدل و انصاف سے معمور کریں گے، اس فرقے کی تعداد ہمیشہ زیادہ رہی ہے۔ یہ فرقے زیادہ فارس میں پائے جاتے ہیں۔

اسماعیلیہ: اس فرقے کے کچھ لوگوں نے فاطمیوں کے نام پر حکومت مصر کی باگ ڈور سنبھالی۔

دوسرا سیاسی گروہ خوارج کا تھا جس کا ظہور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آپ کے ثالث اور فیصل کا کردار ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد ہوا پھر اس نے آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور کہا کہ آپ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا، بلکہ انھوں نے یہاں تک کہا کہ حضرت علی نے تحکیم کی ذمہ داری قبول کر کے کفر کیا لہٰذا اس کو چھوڑنا اور آپ پر توبہ کرنا ضروری ہے پھر اس نے ہی آپ کو شہید کر ڈالا۔

دولت امویہ میں مختلف گروہوں کا ظہور

دولت عباسیہ میں ظہور پذیر ہونے والے گروہ ایک تو ایسے ہی دولت امویہ کے لیے

خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھے دوسرا یہ کہ مزید دوسرے فرقوں کا ظہور دولت امویہ میں ہو رہا تھا جن کے نظریات کا لب لباب اور خلاصہ یہی تھا کہ خلافت کا کوئی مستحق نہیں، خلیفہ آزادانہ اختیار حاصل کرلیتا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کے تئیں طرفداری یا عصبیت نہیں برتی جائے تا کہ اس کا تختہ پلٹنے میں آسانی ہو۔ یہ گروہ گناہ کے مرتکبین کی تکفیر کیا کرتے تھے ان میں بھی مختلف فرقے ہوئے۔ اعتدال وغلو کے اعتبار سے ان کے اعمال اور نظریات میں ایک دوسرے سے تفاوت تھا۔

ان میں سے ازارقہ اور اباضیہ ہیں۔

ازارقہ: نافع بن ازرق حنفی کے متبعین تھے جو غالی قسم کے تھے۔ جماعت اسلامی سے یہ بہت قریب تھے۔

اباضیہ: یہ عبداللہ بن اباض المری التمیمی کا پیروکار تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ ان کے مخالفین نہ کفار ہیں اور نہ مشرک بلکہ وہ کفار نعمت ہیں۔ ان کے مخالفین کا خون حرام ہے، ان کی شہادت جائز ہے۔ اس فرقے کے کچھ لوگ مراقش میں پائے جاتے ہیں ان کے علاوہ عمان، مشرقی افریقہ، طرابلس الغرب اور جنوبی الجزائر میں بھی پائے جاتے ہیں، استعراض "سیاسی قتل" کے منکر ہیں، غیر اباضیوں سے نکاح کی اجازت ان کے یہاں ہے، پھر اباضیہ اور ازارقہ میں بھی مختلف فرقے کا ظہور ہوا جن میں نجدات، صفریہ اور عجاردۃ ہیں۔

نجادات: نجدۃ بن عویر جو بنی حنیفہ کے قبیلے سے تھا۔ اس کے متبعین تھے۔

صفریہ: زیاد بن اصفر کے متبعین تھے۔

عجاردہ: عبدالکریم بن عجرو کے متبعین تھے۔

خوارج: اس میں کچھ وہ لوگ تھے جو اپنی بعض آرا میں اسلام سے خارج تھے۔ ان کے دو فرقے ہیں: یزیدیہ اور میمونیہ۔ یزیدیہ، یزید بن انیسہ کے متبعین تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ اللہ تعالیٰ عجمیوں میں سے ایک رسول بھیجے گا جسے کتاب دی جائے گی جو شریعت محمدی کو منسوخ کرے گی۔

میمونیہ: میمون عجردی کے متبعین تھے اس نے نواسیوں، پوتیوں، بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح کو جائز قرار دیا۔ ان کا ماننا تھا کہ ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ اس کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ اس نے سورۂ یوسف کا انکار کیا۔ اس کو وہ قرآن شمار نہیں کرتے۔

☆ جلب مصلحت کی نسبت مفاسد کو دور کرنا زیادہ بہتر ہے ☆

اعتقادی فرقوں کا ظہور

جن اعتقادی فرقوں کا ظہور آپ کے دور میں ہوا۔ وہ مرجئہ جبریہ (جہمیہ) اور قدریہ ہیں۔

مرجئہ: یہ اصول دین کو سیاست سے مربوط کرتا تھا۔ جب یہ مسئلہ اٹھا کہ آیا گناہ کا مرتکب جہنم میں ہمیشہ رہے گا یا نہیں؟ تو اس فرقے نے کہا کہ ایمان کے ساتھ معصیت نقصان نہیں دیتی جس طرح کفر کے ساتھ عمل فائدہ مند نہیں ہوتا۔ معتزلہ مرجئ ہر شخص کو کہتے تھے جو یہ نہیں مانتا تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ اس بنا پر حضرت ابوحنیفہ کو مرجئ کہا گیا جب کہ شہرستانی نے آپ کو مرجئ الہ گردانا یعنی گناہ گاروں کے لیے عفوالٰہی کی امید کرنے والا نہ کہ منکرات کو مباح تسلیم کرنے والا۔

جبریہ: (جہمیہ)۔ اس کا ماننا تھا کہ انس کو اپنے افعال میں کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر طرح ے عمل خواہ وہ برا ہو یا اچھا، کا خالق ہوتا ہے جو بندہ کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بندہ اپنے افعال کے تئیں اس پر کی مانند ہے۔ جس کو ہلکی سی ہوا بھی حرکت دے دیتی ہے۔ اس عقیدہ کا پرچار اموی دور میں خوب ہوا۔ اس نظریہ کی جس نے تشہیر کی اس کا نام جہم بن صفوان تھا اسی وجہ سے اس کا نام جہمیہ پڑ گیا۔

قدریہ: اس کا ماننا تھا کہ انسان اپنے اختیاری افعال کا خالق ہے۔ ان میں کچھ وہ لوگ تھے جن کو تاریخ اسلام میں معتزلہ کہا جاتا ہے۔ جن کی عباسی دور میں اسلامی فکر میں زبردست اہمیت حاصل تھی کیوں کہ انھوں نے زندیقیوں کی تردید کی۔ اس فرقہ کے پانچ بنیادی اصول ہیں۔

توحید: ان کی نظر میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں ایک ہے لہٰذا کوئی مخلوق کسی صفت میں اس کا شریک نہیں، اسی وجہ سے انھوں نے رویت باری کا انکار کیا۔

(۱) عدالت من جانب اللہ: لہٰذا اس کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں اور اس کے افعال کا خالق ہوتا کہ ثواب وعقاب اور تکلیف عام طور پر ملے۔

(۳) وعدو وعید من جانب اللہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محسن کو احسان کا اور مسیٔ کو اساءۃ (برائی) کا بدلہ دے گا اور مرتکب گناہ کبیرہ کو معاف نہیں فرمائے گا۔

(۴) مرتکب کبیرہ مومن اور کافر کے درمیانی درجہ میں ہے اس کا نام مومن فاسق ہے، اس کا نام

مومن کبھی نہیں ہوسکتا وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

(۵) امر بالمعروف و نہی عن المنکر

ان دونوں چیزوں کو دعوت اسلامی کی اشاعت اور گمراہوں کی ہدایت کے لیے واجب قرار دیا ہے، لہٰذا استطاعت بھر ہر شخص پر دعوت کا فریضہ انجام دینا ضروری ہے جو بزور تلوار دعوت کی خدمت انجام دے سکتے ہیں وہ تلوار سے اور جو صاحب لسان ہوں وہ زبان سے اس فریضہ کو انجام دیں۔

عقائد کے سلسلے میں آپ کا موقف

جب عقائد سے متعلق کسی ایسے مسئلے میں جس پر مختلف فرقوں نے خوب بحث وتمحیص کی ہو اس میں پڑنے کی بجائے مختصر جواب دیتے جس میں اثر پر اعتماد ہوتا اور کتاب وسنت میں صریح جواب نہ ملنے کی صورت میں اجتناب کرتے۔

چناں چہ ایک بار آپ سے ایک شخص نے "الرحمن علی العرش استوی" پڑھ کر کہا: کیسے اللہ نے استوا فرمایا؟ حضرت امام مالک تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگئے یہاں تک کہ آپ پسینے سے شرابور ہوگئے۔ جب یہ کیفیت دور ہوگئی "تو آپ نے فرمایا استوا معلوم ہے لیکن کیفیت عقل میں نہیں آنے والی ہے۔ اس قسم کا سوال بدعت ہے اور استوا پر ایمان واجب ہے۔ میں تجھے گمراہ خیال کرتا ہوں۔ اس پر اس شخص نے کہا: اے بندہ خدا! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہی سوال میں نے اہل بصرہ، کوفہ اور عراق سے پوچھا، لیکن کسی کو ایسے جواب کی توفیق نہ دی گئی جس جواب کی توفیق آپ کو عنایت کی گئی۔

ایمان کے نقص و زیادت کے بارے میں آپ کا موقف

حضرت امام مالک ایمان کو نہ صرف اعتقادی اور نہ صرف قولی مانتے تھے بلکہ یہ مانتے تھے کہ ایمان اعتقاد، قول اور عمل کا مجموعہ ہے۔ آپ کی نظر میں طاعت ایمان تھی یونہی نماز پڑھنا بھی۔ اس پر استشہاد یوں پیش کرتے ہیں کہ نماز پہلے بیت المقدس کی طرف منھ کرکے پڑھی جاتی تھی۔ پھر خانہ کعبہ کی طرف پڑھی جانے لگی۔ مومنین کو ڈر ہوا کہ کہیں ان کی گزشتہ نمازیں اکارت

نہ چلی جائیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ’’وما کان اللہ لیضیع ایمانکم‘‘ اللہ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں۔ یہ آیت اس پر دال ہے کہ نماز ایمان ہے اور نماز فعل ہے لہٰذا ایمان قول اور فعل کا مجموعہ ہوا۔ آپ قرآن وسنت کے ظاہری لفظ سے بھی استشہاد کرتے تھے لہٰذا پہلے آپ ایمان کی زیادت اور نقص اور بعض ایمان کا بعض سے افضل ہونے کا قول کرتے تھے لیکن جب دیکھا کہ زیادت ایمان کے بارے میں آیت مذکور ہیں تو صرف زیادت کا قول کرنے لگے اور نقص ایمان کے بارے میں خاموشی اختیار کرلی۔

تقدیر اور افعال انسان کے بارے میں آپ کا موقف

پیچھے اس سلسلے میں اعتقادی فرقوں کے بارے میں ان کے موقف کا بیان کیا جاچکا ہے کہ تقدیر اور افعال انسان کا مسئلہ خلفاء راشدین کے آخری دور میں اٹھا مگر اموی دور میں اس نظریے کی خوب تشہیر ہوئی۔ دو اعتقادی گروہوں کا موقف ایک دوسرے سے بالکل متضاد تھا۔ جبریہ جس کا سرغنہ جہم بن صفوان تھا۔ اس کا ماننا تھا کہ انسان کو اپنے اعمال میں کوئی ارادہ و دخل نہیں ہوتا۔ اگر فعل کی نسبت انسان کی طرف کی بھی جائے تو اس میں انسان کا کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ قدریہ جس کا سرخیل غیلان ثقفی تھا۔ اس کا ماننا تھا کہ انسان اپنے افعال مکلفہ میں بالکل آزاد ہے، لہٰذا انسان اگر اچھا عمل کرتا ہے تو اچھا بدلہ پائے گا اور برا کرتا ہے تو برا۔ حضرت امام مالک کا قدریہ کے اعتقاد کو ناپسند کرنے کے باوجود ان کو مشرک نہیں مانتے اور نہ یہ کہ وہ دین سے خارج ہیں کہ ان سے نکاح، ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا اور ان کا جنازہ پڑھنا جائز نہ ہو۔ یوں ہی جبریہ کے اعتقاد کی موافقت میں آپ سے کوئی صریح قول منقول نہیں۔ کیوں کہ آپ کا ماننا تھا کہ ان جیسی چیزوں میں پڑنا جمال دین کے لیے نقصان دہ اور لوگوں کو پریشانیوں میں مبتلا کرنا ہے۔

خلق قرآن کے بارے میں آپ کا موقف

خلق قرآن کا مسئلہ جب خوب زور وشور سے اٹھا جس کو قدریہ اور معتزلہ خوب ہوا دے رہے تھے تو آپ نے اس میں پڑنے سے خود کو روکے رکھا اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے

ہوئے اس میں پڑنے والے کو مستحق سزا قرار دیا۔ چناں چہ فرماتے ہیں: ''القرآن کلام اللہ، ومن قال: القرآن مخلوق، یوجع ضرباً ویحبس حتی یتوب'' قرآن اللہ کا کلام ہے لہٰذا جو قرآن کو مخلوق کہے اسے دردناک پٹائی کی جائے اور قید کر دیا جائے تا آں کہ وہ اس سے توبہ کر لے۔

رویت باری کے بارے میں آپ کا موقف

اس مسئلہ کو معتزلہ نے اٹھایا اور کہا کہ رویت باری تعالیٰ محال ہے کیوں کہ اس سے اللہ کے لیے مکان ہونا لازم آئے گا حالاں کہ اس کے لیے مکان نہیں۔ کیوں کہ جو مکان میں ہوتا ہے وہ اجسام کے قبیل سے ہوتا ہے اور اللہ جسم و جسمانیات سے منزہ ہے اور ہر قسم کے حدوث سے مبرا ہے اس لیے کہ وہ واجب الوجود ہے لہٰذا حدوث کی صفت واجب الوجود کے لیے صحیح نہیں۔ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی نفی میں قرآن میں موجود آیتوں کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ رویت باری تعالیٰ آخرت میں ہوگی نہ کہ دنیا میں۔

اعتقادی اور سیاسی فرقوں کے بارے میں آپ کا موقف

اس بارے میں آپ کا موقف بیان کرنا اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ آپ کی زندگی میں خوارج، شیعہ، حکومت امویہ اور دولت عباسیہ کا ظہور ہوا۔ ان میں سے ہر گروہ ایک دوسرے کے موقف کے خلاف تھا چناں چہ شیعہ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان پر طعنہ زنی کرتے، خوراج حضرت عثمان، علی، عمرو بن العاص اور معاویہ بن ابوسفیان وغیرہ کو برا بھلا کہتے۔ عباسیہ: خلافت کو بنو ہاشم میں سے صرف بنو عباس میں مانتے۔ امویہ خلافت کو صرف قریش میں مانتے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ سے مروی حدیث ہے ''الائمۃ من قریش'' ائمہ قریش سے ہیں، کو دلیل میں پیش کرتے۔ ایسے عالم میں ان کے خلاف جو اصحاب رسول ﷺ کو برا بھلا کہتے آپ نے فرمایا: یہ جرم عظیم ہے، اور ایسے شہر میں جہاں ان کے خلاف طعنہ زنی کی جاتی ہو ٹھیک اس شہر کی مانند ہے جہاں پر حق پر عمل نہ ہو سکے۔ ان کو غنیمت کا بھی مستحق نہیں مانتے تھے، البتہ آپ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان کے علاوہ دوسرے صحابہ کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے، چناں چہ آپ سے منقول ہے کہ کسی علوی نے سوال کیا رسول ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟

آپ نے فرمایا: ابوبکر، پھر اس نے پوچھا: پھر کون ؟ آپ نے فرمایا: عمر، پھر اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ خلیفہ جو ظلما شہید کیا گیا یعنی عثمان، اس پر علوی نے کہا: ''واللہ لااجالسک ابدا'' میں آپ کے ساتھ کبھی نہیں بیٹھوں گا، آپ نے فرمایا: ''الخیارلک'' تمہیں اختیار ہے۔ رہی بات خلافت کے حوالے سے تو آپ کا موقف اس بارے میں یہ تھا کہ خلافت نہ تو صرف علوی گھرانے اور نہ صرف قریشی گھرانے پر موقوف مانتے۔ چناں چہ آپ نے حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان کی خلافت کو اختیار نبوی مانا جس میں سے کوئی ہاشمی گھرانے سے نہ تھے بلکہ وہ قریشی تھے، یونہی حضرت علی کی عظمت کو ان کی عظمت سے نہ ملایا جب کہ آپ ہاشمی تھے۔

آپ کی کتاب ''موطا''

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے الموطا کی تالیف عباسی خلیفہ منصور (۱۳۶ھ/۷۵۴ء تا ۱۵۸ھ/۷۷۵ء) کے حکم کے تحت شروع کی اور اس کے آخری زمانہ خلافت تک اس کے مسودے سے فارغ ہوئے، خلیفہ مھدی (۱۵۸ھ/ ۱۶۹ھ) کے زمانہ خلافت میں یہ بہ شکل روایت اور کتاب، منظر عام پر آئی اس کی تالیف میں آپ چالیس سال تک مشغول ومصروف رہے۔ اس کتاب کے تقریباً ایک ہزار راوی ہوئے۔ اس کتاب کی روایت متعدد طرق سے ہوئی ہے مگر اس کے متداول نسخے دو ہیں ایک بروایت یحیی بن یحیی اللیثی المصمودی الاندلسی (م۲۳۴ھ/ ۸۴۸ء) دوسری براویت امام محمد بن حسن شیبانی (م۱۸۹ھ/۸۰۴ء) اس کی تصنیف مسلمانوں کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کو دھیان میں رکھ کر ہوئی۔ کیوں کہ قاضی اور مفتی وسیع اسلامی سلطنت میں جو احکام نافذ کرتے تھے ان میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ اس لیے ارباب سیاست یہ مانتے تھے کہ فیصلوں میں استحکام نہیں ہے۔ لہٰذا خلیفہ کوئی ایسی جامع الاحکام کتاب مقرر کرے جس کی روشنی میں مقدمات کا تصفیہ ہو اور جو اس کے خلاف فیصلہ صادر کرے اس کے خلاف حکم امتناعی صادر کیا جائے۔ اس کتاب کے حوالے سے خود امام شافعی فرماتے ہیں میری کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے، صحابہ کے اقوال ہیں پھر تابعین کے اقوال ہیں اور رای یعنی اجماع اہل مدینہ ہے۔ میں ان سے باہر نہیں نکلا' اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی فقہ کے اصول سنت، فتاوی صحابہ، فتاوی تابعین اور اجماع ہیں، لیکن امام محمد ابوزہرہ نے اس کے علاوہ حسب ذیل اصول آپ کی فقہ سے

متعلق گنائے ہیں۔ عمل اہل مدینہ، قیاس، استحسان، استصحاب، مصالح مرسلہ مصلحت و نصوص، ذرائع اور عادت و عرف۔

مذکورہ قول کی روشنی میں یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ الموطا کو حدیث کی کتاب شمار کی جائے لیکن چوں کہ اس کا مواد، ترتیب اور مقصد عملی امور و حالات سے متعلق ہے اور یہی فقہ ہے۔ حضرت امام مالک کے زمانے میں فقہ و حدیث دو الگ الگ چیزیں نہ تھیں اور ان کے مفہوم میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ بعد میں اس میں ارتقاء اور نشو و نما ہونے کی وجہ سے یہ دو الگ الگ چیزیں ہوئیں۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ الموطا کے اندر کچھ فقہ ہے کچھ اصول فقہ اور کچھ حدیث۔

وہ کتابیں جن سے آپ کے فقہی مذہب کو فروغ ملا

جن کتابوں سے آپ کے مذہب مالکی کو فروغ ملا وہ مدونہ، واضحہ، عتبیہ اور موازیہ ہیں۔ اس کی قدرے تفصیل یوں ہے کہ حضرت عبدالملک بن حبیب اندلس آئے وہاں انھوں نے ''واضحہ'' نام کی کتاب مدون کی اور مذہب مالکی کو عام کیا۔ پھر محمد بن احمد بن عبدالعزیز عتبی نے عتبیہ مدون کی۔ اسد بن فرات نے اصحاب امام ابوحنیفہ کے بارے میں لکھا تب مذہب مالکی کی جانب رخ کیا۔ چناں چہ انھوں نے عبدالرحمٰن بن قاسم کے پاس رہ کر تمام فقہی ابواب کے متعلق لکھ کر قیروان آئے۔ جو کچھ انھوں نے لکھا تھا اسی کا نام اسد بن فرات کی طرف نسبت کرتے ہوئے اسد یہ نام رکھا۔ پھر اسی اسد یہ کہ سحنون نے اسد بن فرات کو پڑھ کر سنایا اور مشرق چلے گئے۔ وہاں انھوں نے ابن قاسم سے ملاقات کی۔ یہاں انھوں نے ان سے اسد یہ کے مسائل کے بارے میں بحث کی اور ان سے سیکھا انھوں نے اس کتاب کے بہت سے مسائل سے رجوع کیا اور اسدیہ کے مسائل کو لکھ کر مدون کرنا شروع کیا اور جن مسائل سے انھوں نے رجوع کیا تھا اُن کو باقی رکھا۔ اور مدونہ نام رکھا۔ اس کے بعد انھوں نے اسد کے نام لکھا کہ وہ کتاب سحنون (مدونہ) کی پیروی کریں۔ اس پر اسد نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس لیے لوگوں نے اسدیہ کو چھوڑ کر مدونہ کی پیروی میں لگ گئے، حالاں کہ اس کے اندر بھی بہت سے مسائل میں اختلاط تھا اسی وجہ سے اس کو مختلط بھی کہا جاتا ہے۔

چناں چہ اہل قیروان مدونہ اور اہل اندلس نے واضحہ اور عتبیہ پر سارا دھیان دیا، پھر

ابن ابی زید نے اسی مدونہ یا مختلط کا اختصار پیش کیا اور ''المختصر'' نام رکھا پھر اسی کتاب ''المختصر'' کی تلخیص ابو سعید البرادعی جو قیروان کے ایک فقیہ تھے، نے کی اور اس کا نام تہذیب رکھا۔ اس کے بعد اہل افریقہ نے اس تہذیب پر اعتماد کر کے واضحہ اور دیگر کتابوں کو چھوڑ دیا۔ اہل اندلس نے عتبیہ پر اعتماد کر کے واضحہ اور دیگر کتابوں کو چھوڑ دیا۔ بعد میں انہی امہات الکتب کی تشریح وتوضیح اور جمع وتالیف علمائے مالکیہ کرتے رہے۔ موازیہ: یہ حضرت محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری کی تصنیف ہے جو ابن مواز کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا انتقال سن ۲۶۹ھ میں ہوا۔ اسی کتاب کے بارے میں مدارک میں اجل کتاب الفه المالکیون، اصح مسائل، وابسطه کلاما، واوعبه (یہ مالکیوں کی لکھی کتابوں میں سب سے ممتاز، اس کے مسائل صحیح ترین اور اس میں شرح وبسط کے ساتھ مسائل مذکور ہیں) جب کہ اسی کتاب کو ابوالحسن القابسی نے مذہب مالکی کی تمام امہات الکتب پر ترجیح دی۔

آپ کے تلامذہ

میں حضرت عبداللہ بن وہب، عبدالرحمٰن بن القاسم، اشہب بن عبدالعزیز القیسی العامری، اسد بن فرات بن سنان اور عبدالملک بن الماجشون ہیں۔

عبداللہ بن وہب

آپ بربری نژاد ہیں جب کہ آپ کی رشتہ داری قریش سے ہے۔ آپ حضرت امام مالک کی صحبت میں بیس برس رہے۔ مصر میں فقہ مالکی کو عام کیا۔ مصر، حجاز اور عراق کے چار سو سے زائد شیوخ سے استفادہ کیا۔ آپ کی وفات ۱۹۷ھ میں ۷۲رسال کی عمر میں ہوئی۔ پیدائش ۱۲۵ھ یا ۱۲۴ھ بتائی ہے۔

عبدالرحمٰن بن القاسم

آپ تقریباً ۲۰ربرس حضرت امام مالک کی صحبت میں رہے۔ آپ کی موطا کی روایت صحیح ترین شمار کی جاتی ہے۔ آپ سے سحنون نے مدونہ سیکھی۔ اس بنا پر آپ اس کے ناقل ہیں۔ آپ متقی، زاہد اور عابد تھے۔ بادشاہ کے انعامات کو قبول نہیں کرتے۔ بھائیوں کی کثرت کو غلامی

تصور کرتے تھے۔ چناں چہ آپ نے فرمایا: **ایاک ورق الاحرار**۔ آزاد لوگوں کی غلامی سے بچو۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: **کثرۃ الاخوان**۔ بھائیوں کی کثرت۔ آپ کا انتقال ۱۹۱ھ میں ۶۳ برس میں ہوئی۔ ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی۔

اشہب بن عبدالعزیز قیسی عامری

انھوں نے لیث، یحیی بن ایوب، ابن لہیعہ سے سیکھا پھر امام مالک کی صحبت میں رہ کر آپ کی فقہ سیکھی، آپ فقہ مالکی کے ایک راوی ہیں۔ آپ ابن قاسم کے ہم پلہ تھے لیکن عمر میں اس سے چھوٹے تھے۔ سحنون جو ان دونوں حضرات کے شاگرد تھے، ان سے پوچھا گیا: **ایھما افقه**؟ ان دونوں میں کون بڑا فقیہ ہے۔ انھوں نے کہا: **کانا کفرسی رهان ربما وفق هذا، وخذل هذا، وربما خذل هذا، ووفق هذا**، دونوں بازی کے گھوڑے کی طرح ہیں۔ کبھی ایک غالب آجاتا ہے اور دوسرا شکست کھا جاتا تو کبھی دوسرا غالب آجاتا ہے اور پہلا شکست کھا جاتا ہے۔ آپ کی بھی ایک کتاب کا نام مدونہ ہے جو سحنون کے علاوہ ہے اس کے علاوہ آپ کی دوسری کتاب ہے ایک کتاب الاختلاف فی القسامۃ اور دوسری فضائل عمر بن عبدالعزیز میں ہے۔

آپ کی پیدائش ۱۴۰ھ میں ہوئی اور وفات ۲۰۴ھ میں امام شافعی کی وفات کے کچھ دن بعد ہوئی۔

اسد بن فرات بن سنان

آپ خراسان نژاد ہیں، پیدائش حران میں ہوئی مگر آپ کے والد تونس لے گئے۔ قرآن حفظ کرنے کے بعد فقہ سیکھی پھر مشرق چلے گئے اور مالک سے موطا وغیرہ سنی پھر عراق گئے جہاں آپ سے ابو یوسف اور محمد بن حسن کی ملاقات ہوئی اور اسد یہ جو مدونہ سحنون کی اصل ہے اس میں ابن القاسم کے اقوال کو مصر کے اندر جمع کیا پھر قیروان گئے جہاں سحنون نے اسد یہ سیکھی آپ نے قیروان کی قضا کا عہدہ سنبھالا، آپ کی وفات سرقوسہ کے حصار میں ہوئی۔ ولادت ۱۴۰ھ ہے۔

عبدالمالک بن ماجشون

آپ بنی تمیم کے آزادہ کردہ غلام تھے آپ کے والد عبدالعزیز بن ماجشون حضرت مالک کے قریبی تھے۔ ایک قول میں ہے کہ موطا امام مالک کے لکھنے سے پہلے انھوں نے لکھا۔ آپ فصیح فقیہ تھے۔ آپ کی خدمت میں تاوقت وفات فتویٰ پیش کیا جاتا رہا اس سے پہلے آپ کے والد جو خود فقیہ تھے کے پاس فتوے آیا کرتے تھے، آپ اندھے تھے۔ موسیقی سننے کے بڑے دلدادہ تھے۔ ابن حبیب مصنف واضحہ نے آپ کی خوب تعریف کی ہے اور خوب استفادہ کیا۔ وہ آپ کو تمام اصحاب مالک پر فہم میں اونچا مقام دیتے تھے۔

اجتہاد میں فقہ مالکی کی اہمیت

حضرت امام مالک نے سات فقہا اور دیگر فقہا کی فقہ اور ان سے حدیث پڑھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے پاس ہر چہار جانب سے فتاویٰ دیتے اگر ان سے مسائل کا تصفیہ نہیں ہو پاتا تو اس سے ملتی جلتی حدیث اور فقہ کے مطابق فتویٰ صادر فرماتے۔ اگر یہ بھی نہ ہوتا تب اجتہاد کرتے، اور کتاب اللہ، سنت رسول نص کی، یا اس کے نچوڑ یا اس کے اشارہ یا مفہوم سے احکام کا استخراج کرتے لیکن اس سے پہلے نصوص کے درمیان موازنہ کرتے چناں چہ سنت اور کتاب کا موازنہ کرتے ہوئے نص میں تعارض نہ ہونے پر قیاس کا استعمال کر کے حکم صادر فرماتے اور اسی کو صحیح مانتے۔ پھر اگر کوئی ایسی مصلحت ہوتی تو اس مصلحت کے مطابق فتویٰ صادر کرتے جس میں شارع کی طرف سے نہ کوئی نص موجود ہو اور نہ اس کے اختیار میں کوئی حرج ہو۔ کیوں کہ فقہ مالکی میں مصلحت ان اصول میں سے تھی جن پر اس فقہ کا دارومدار تھا۔

آپ کی آزمائش

۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ میں مدینے کے حاکم جعفر بن سلیمان نے ایک بار آپ پر کوڑے برسائے تھے: اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ بیعت اکراہ کو صحیح نہیں مانتے تھے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بنو عباس کی بیعت صحیح نہ تھی۔ جب کہ بعض مورخین کا ماننا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے متعہ کو حرام قرار دیا جب کہ خلفائے بنو عباس اس کو درست مانتے تھے۔ وجہ جو بھی رہی ہو۔ لیکن یہ طے ہے کہ آپ پر کوڑے برسائے گئے تھے۔

☆ التاسیس خیر من التاکید ☆ تاسیس تاکید کی نسبت بہتر ہوتی ہے ☆

خلاصہ

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ جہاں فقیہ اثر تھے وہیں فقیہ رائے بھی تھے۔ آپ کی فقہ منجمد نہ تھی جیسا کہ ابن خلدون نے اس فقہ پر یہ الزام لگایا ہے۔ آپ کی فقہ حالات اور مقتضیات زمانہ پر منطبق فقہ تھی۔ جس کی اصل بنیاد کتاب اور سنت کے ساتھ دیگر اصول فقہ مالکی تھی۔ فقہ مالکی آج بھی حجاز، بصرہ، مصر، بلاد افریقہ، اندلس، صقلیہ، مراکش! سودان میں پائی جاتی ہے۔ بغداد میں بھی خوب خوب اس کا ظہور ہوا لیکن چار سو تک کچھ کمزور شکل میں رہی۔ نیشاپور میں اس کا فروغ ہوا جہاں پر اس فقہ کے ائمہ اور مدرسین پائے گئے۔

مراجع

(۱) مالک: حیاتہ وعصرہ۔ آراؤہ وفقھہ امام محمد ابوزہر دارالفکر العربی

(۲) الفقہ الاسلامی: ومرونۃ وتطورہ۔ جادالحق علی جادالحق ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۰ شیخ الازھر

(۳) نشاۃ الفقہ الاجتھادی واطوارہ۔ محمد علی سائس مطبوعہ: ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵م

(۴) المدخل لدراستہ الفقہ الاسلامی: محمد یوسف موسیٰ دارالفکر العربی

(۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب۔ جلد نمبر ۱۸، مطبوعہ ۱۹۸۵/۱۴۰۵ھ

نئی کتاب............خوبصورت طباعت..................دیدہ زیب جلد

فضلِ قدیر ترجمہ تفسیرِ کبیر

ازمحققِ عصر مفتی محمد خان قادری صاحب

ناشر: مرکز تحقیقات اسلامیہ، جامعہ اسلامیہ لاہور

ہر معروف کتب خانہ پر دستیاب ہے۔

☆ جس نے قبل از وقت کسی شی کے حصول کی کوشش کی اسے اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی ☆